تحقیق و تنقید

تفسیر روض الجنان

ایک تجزیاتی مطالعہ

(۲)

پروفیسر کبیر احمد جائسی

اب ابوالفتوح رازی کی تفسیر کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے جو ان کے اطناب بیان کا شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی صلاحیتوں کا بھی مظہر ہے۔ صرف اسی ایک نمونے کے غائر مطالعہ سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مضمون کو سو رنگ میں باندھنے کا کیسا زبردست ملکہ رکھتے ہیں۔ یہاں پر اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ ابوالفتوح رازی کا یہ انداز بیان ان کو خواہ کتنا بڑا عالم، واعظ، محدث اور مفسر کیوں نہ ثابت کرتا ہو اُن کے افادات سے عام لوگوں کو دور ہی رکھتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ معدودے چند علماء اور محققوں کو چھوڑ کر عام طور سے لوگ اُن کی تفسیر سے استفادہ نہیں کرتے بلکہ اُن شیعہ مفسروں کی تفسیروں کے مطالعہ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں جو ایجاز و اطناب کے بین بین چلنے کے عادی ہیں۔ بہر حال اس وقت ہم ابوالفتوح رازی کی جس تحریر کو نقل کر رہے ہیں اس کا تعلق سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۷ سے ہے۔ مذکورہ آیت کے اس مختصر ٹکڑے وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی کی تفسیر میں اُن کے اشہب قلم کی روانی ملاحظہ ہو:

"وزاد برگیری کہ بہترین زاد تقوی و پرہیزگاری است مفسران گفتند کہ آیہ وارد است در بار قومیکہ ایشان بحج آمدندی از یمن بی زاد و گفتند نحن وفد اللہ افتراہ لا یطعمنا۔ ما وفد خدائیم ما را طعام نخواہد دادن و بعضی گفتند نحن متحلون الی اللہ و حجاج بیت اللہ الا یطعمنا۔ ما بخدای میشویم و حجاج خانۂ اوئیم گمان بری کہ ما را طعام ندہد آنگہ در راہ یا سوال کردندی یا غصب و سلب خدای تعالی

ایشان رانہی کرد از آنکہ بی زاد بحج روند تا ایشان را راہ باید زدن سوال کردن یا و بال و عیال باشند بر دیگران۔ مفسران گفتند زاد حاج کعک وزیت و خرما است و بیست باشد و مانند این و در این باب حرجی نیست ہر کس آنچہ بر تواند گرفتن بحسب قوہ و حاجت بر گیرد۔ عبداللہ عمر گفت جماعتی بودند کہ بحج شدندی زاد بر گرفتندی چوں احرام ہا گرفتندی آن زاد بینداختندی و زاد نو طلب کردندی پس بوی کہ بدست آمدی و بودی کہ بدست نیامدی بر نج افتادندی۔ خدائے تعالیٰ گفت وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ و مراد آنکہ زایدی کہ داری نگہ داری کہ بر نج نیفتی۔ آنکہ گفت این زاد دو روی بر گیری یکی برای حج یکی برائے سفر قیامت این زاد کعک و خرما بود و آن زاد عمل صالح و تقویٰ بود۔"

ترجمہ: اور توشہ لے لو، بہترین توشہ پرہیزگاری اور تقویٰ ہے مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے جو یمن سے بے توشہ حج کے لیے آتے تھے اور کہتے تھے ہم لوگ اللہ کے نمائندے ہیں کیا وہ ہم لوگوں کو کھانا نہ دے گا؟ اور (ان میں سے) بعض کہتے، ہم لوگ اللہ کی راہ کے مسافر ہیں اور اُس کے گھر کے حاجی ہیں کیا تمہارا خیال ہے کیا وہ ہم کو کھانا نہ دے گا اِسی لیے وہ لوگ راستے میں یا تو بھیک مانگتے، یا لوٹ مار کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی نکیر کی کہ وہ بے توشہ حج کے لیے جائیں تاکہ راستے میں مانگنے یا دوسروں پر وبال اور افراد خاندان بننے کے اس سلسلے کو ختم کیا جائے۔ مفسرین کا قول ہے کہ حاجی کا توشہ کاک روٹی، زیتون کا تیل، کھجور اور ستو اور ایسی ہی چیزیں ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ ساتھ لے جا سکتا ہو لے جائے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا ارشاد ہے: ایک جماعت کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ آمادۂ حج ہوتی تو توشہ اپنے ساتھ رکھ لیتی، جب اُس جماعت کے لوگ احرام باندھ لیتے تھے تو اُس توشے کو پھینک دیتے تھے اور لوگوں سے نیا توشہ مانگتے

تھے۔ پس کچھ چیزیں ان کے ہاتھ لگتیں اور کچھ چیزیں ہاتھ نہ لگتیں اور وہ لوگ پریشانی میں مبتلا ہوتے، اللہ کا ارشاد ہوا" اور توشہ لے لو اور بہترین توشہ پرہیزگاری ہے"۔ اس سے مراد یہ تھی کہ جو کچھ تمہارے پاس زائد ہے اس کی حفاظت کرو تاکہ پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ بعد ازاں فرمایا: یہ توشہ دو غرض سے لو، ایک سفر حج کے لیے ایک سفر قیامت کے لیے اس سفر (سفر حج) کا توشہ کاک روٹی اور کھجور ہوتا ہے اور اس سفر کا تقویٰ اور نیک عمل۔

"گروہی گفتند مراد بہر دو زاد زاد حجاز است یعنی زادیکہ بآن مستغنی از مردمان شوی وزادی از تقویٰ کہ تورا منع کند از غصب وسلب وقطع طریق یا تا زاد ظاہر تورا مانع بود از سوال وزاد باطن مانع بود از معاصی واہل اشارت گفتند خدای چون ذکر سفر حج کرد مکلفان راسفر قیامت یاد آمد گفت برای این راہ زادی ساختی کہ بیک دوماہ بروی و باز آئی برای سفری کہ بروی وآنجا بمانی و باز نیای اگر این راہ زاد بایدا ولی واحریٰ کہ آن را زادی باید زاد این راہ گران باری بود وزاد آن راہ سبکباری بود این جا ہر چہ گران بارتر باشی تورا آسان تر بود وآنجا ہر چہ سبکبارتر باشی تورا بہ باشد برای آنکہ این جا بار بر پشت شتر باشد وآنجا بار بر گردن تو این جا زاد بر راحلہ بود وآنجا زاد خود راحلہ باشد این جا اگر راحلہ ات نبود وزادت نبود از تقویٰ زادی ساز واز پای خود راحلہ ساز اگرت رحلی نبود بنعلی قناعت کن چنانکہ گفت۔

وقنعت من حوض الرکاب باسود من دارشن فغدوت امشی راکبا

[(مفسروں کے) ایک گروہ کا قول ہے: دونوں توشہ سے مراد حجاز (حج) کا توشہ ہے، یعنی وہ توشہ جس کے ذریعہ تم انسانوں سے بے نیاز ہو جاؤ اور تقویٰ کا توشہ اس لیے ہے کہ تم کو ناجائز طور پر چھیننے، لوٹنے (کسی کے مال پر) جبراً قبضہ کرنے اور رہزنی کرنے سے روکے۔ یا (اس کے معنی یہ ہیں کہ) تمہارا ظاہری توشہ تم کو سوال کرنے سے روکے اور باطنی توشہ گناہ سے باز رکھے۔ اہل رائے کا خیال ہے کہ اللہ نے جب حج کے سفر کا ذکر کیا تو مکلفوں کو قیامت کا سفر یاد آگیا (اللہ) نے فرمایا: تم

اُس سفر کے لیے توشہ تیار کرتے ہو جس پر دو ایک ماہ کے لیے جاتے ہو اور پھر واپس آجاتے ہو۔ جس سفر پر تم جا رہے ہو، جس سے لوٹ کر واپس نہیں آنا ہے اور تم کو وہیں رہنا ہے۔ اگر اس سفر کے لیے توشہ کی ضرورت ہے تو یہ بات زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ تم اس سفر کے لیے بھی توشہ لے لو اس راہ (راہِ حج) کا توشہ بھاری ہوتا ہے اور اس راہ کا خاصا ہلکا اس جگہ تم جتنے لدے پھندے رہو تمہارے لیے بہتر ہوگا اور اس جگہ تم جتنے ہلکے رہو تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ بوجھ اونٹ کی پیٹھ پر ہوگا اور اُس جگہ تمہاری گردن پر۔ یہاں توشہ سواری پر (رکھا) ہوتا ہے اور وہاں توشہ خود سواری کا کام دیتا ہے۔ اس جگہ تمہارے پاس سواری اور توشہ نہیں ہے تو تقویٰ سے اپنا توشہ بناؤ اور اپنے پیروں سے اپنی سواری، اگر تمہارے پاس سواری نہ ہو تو کسی پیر پر لپٹنے والی چیز پر ہی قناعت کرو جیسا کہ کسی نے کہا ہے)۔]

"و اگر ہیچ توانی کہ از توکل زادی سازی و از ہوای نفس راحلہ و آن زاد توکل بر گردن اصطبار نہی و پای قہر بپشت ہوای نفس دراری چون او راپست کردہ باشی انکار کہ راہ بریدی ہر چہ راحلات در زیر تو ضعیف تر باشد تو راہ حق سیری بعکس راحلۂ حاج کہ ہر چہ او قوی تر باشد ایشان ایمن تر باشند و چون سستی کند ایشان بترسند و خائف شوند خطر ایشان در ضعف راحلہ باشد و خطر تو در قوت راحلہ تو۔ وانت براحلتک احجی من الحاج برواحلہم انت احجی لو استعملت الحجی۔ اگر عقل داری تو را این بہست آنکہ راہ حج سپرد زاد او حاضر باید و تو چون راہ حق سپری از زاد این بنیستی قناعت کنی شعر:

تو را اگر ہی راہ حق جوئی اوّل طلب کرد باید سبیل الرشادی

پس از نیستی زاد این راہ سازی کجا بہتر از نیستی ہست زادی

[اگر تم کر سکو تو توکل کو توشہ بناؤ اور اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنی سواری اور اُس توکل کے توشے کو صبر کی گردن پر ڈال دو اور قہر کے پیر کو نفسانی خواہشوں پر اس طرح رکھ دو جیسے تم نے ان کو دبا رکھا ہو تو سمجھو

کہ تم نے راستے کو طے[1] کرلیا۔ تمہارے نیچے تمہاری سواری جتنی کمزور سے کمزور تر ہوگی تم حق کی راہ میں سفر[2] کروگے۔ اس کے برعکس حاجیوں کی سواری جتنی طاقتور ہوتی ہے وہ محفوظ تر رہتے ہیں اور جب ان کی سواری سستی کرتی ہے تو ڈرتے اور پریشان ہوجاتے ہیں۔ ان لوگوں کا خطرہ سواری کے کمزور ہونے میں ہوتا ہے اور تمہارا خطرہ سواری کے طاقتور ہونے میں ہے۔ اگر تم عقل مند ہو تو تمہارے لیے یہ بہتر ہے۔ وہ شخص جو سفرِ حج پر چلا اس کا توشہ فراہم ہونا چاہیے اور تم جو کہ راہِ حق کے راہی ہو اس راستے کے توشے کے لیے نیستی پر قناعت کرو۔

تم اگر راہِ حق کی تلاش میں ہو تو پہلے، تم کو کسی طریقِ نجات کو طلب کرنا چاہیے اس کے بعد نیستی کو اس راستے کا توشہ بناؤ، نیستی سے بہتر کوئی توشہ کہاں ہے۔

"بیش ازان نبود کہ چون از نیستی زادی نیست شوی وہمہ ہستی در تحت این نیستی است وہمہ وجود در ضمن آن عدم وہمہ اثبات درمیان این انتفا لاجرم چوں چنیں کنی ہم حاجی باشی ہم غازی پایۂ جہاد بیش از پایہ حج است اگر دشمنی رانمی یابی کہ با او جہاد کنی تا کشتہ او شوی یکی با خود گرد با خود جہادی کن ودر آن جہاد اجتہاد کن کہ تورا دشمن تراز توکس نیست، اعدا عدوک بین جنبیک، تا کشتۂ خود شوی بدست خود تا قاتل ومقتول تو باشی بقاتلی درجۂ مجاہدان یابی وبمقتولی درجۂ شہیدان

صلاح تو در کشتن تو است وانگہ   صلاحی است این مضمر اندر فسادی
نبینی کہ پروانۂ شمع ہر گہ   کہ بر باطنش خیرہ گردد ودادی
بری گرددازخویش وبرصدق دعوی   کند خویشی خویشتن چوں رمادی

[اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ جب تم نیستی کو توشہ بناؤ تو

---

[1] متن میں بریدی شائع ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں اس لفظ میں "ر" کی جگہ پر "ز" ہے۔ ہم نے اس مصدر بریدن کے ماضی مطلق کا صیغۂ واحد حاضر سمجھا ہے۔ بریدی، خوش خبری دینے والے ہیں جس کا یہاں کوئی محل استعمال معلوم نہیں ہوتا۔
[2] سیر کے ایک معنی سفر کرنا (Travelling) بھی ہے ہم نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

نیست ہو جاؤ اور تمام ہستی اسی نیستی کے تحت ہے اور تمام وجود اسی عدم کے اندر ہے اور تمام اثبات اسی نفی میں ہے۔ بلاشبہ جب تم ایسا کرو گے تو حاجی بھی ہو جاؤ گے اور غازی بھی۔ جہاد کا درجہ حج سے بلند ہے۔ اگر تم کسی دشمن کو نہیں پاتے کہ اس سے جہاد کرو تاکہ تم اس کے مقتول ہو جاؤ تو تم اپنے ہی مقابل ہو جاؤ اور اپنے آپ سے جہاد کرو اور اس جہاد کے کرنے میں سخت[۱] کوشش کرو کیونکہ خود تم سے بڑھ کر تمہارا دشمن کوئی اور نہیں ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ جب تم اپنے ہی ہاتھ کے مارے ہوئے ہو جاؤ تو خود ہی قاتل بھی ہوئے اور مقتول بھی قتل کرنے میں تم مجاہدوں کا درجہ حاصل کرو گے اور قتل ہونے میں شہیدوں کا درجہ:

تیری بھلائی تیرے مارے جانے میں ہے بالآخر ، اسی بگاڑ میں تیری بھلائی چھپی ہے

کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ شمع کا پروانہ جس وقت ، محبت کی وجہ سے اپنے باطن پر بدحواس ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ سے بری ہو جاتا ہے اور اپنے دعوے کی سچائی میں اپنے آپ کو راکھ بنا دیتا ہے۔]

ولکن تو ازان دون ہمت تری و دون منزل تری کہ اختیار چنیں چیز ہا کنی تو خود کشتۂ ہوا، خودی چگونہ کسی راکشی تو خود اسیر مرادی کسی را چگونہ اسیر کنی گفتیم تو ہوا را کشی ہوا تو را کشت گفتیم تو مراد قہر کنی مراد تو را قہر کرد گفتیم قہرمانی قاہر باشی قہر ماندہ مقہور شدی ہمہ عمر در بند آرزو ماندۂ تا باشد کہ برآید صد ہزار جان عزیز بر آید و آن بر نیاید صد ہزار عمر چون عمر تو برسد و آن نرسد عمر تو بسر آید و جز انکہ نوشتۂ تو است بسر تو نیاید قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ہو مولانا۔ تو را یکنفس ازاین ہوس پروای دگر چیز نیست۔

ایا ماندہ بر موجب ہر مرادی شب و روز در محنت اجتہادی

نہ در حق خود مر تو را انزعاجی نہ در حق حق مر تو را انقیادی

تو میباید بی ہوس باشی مصعف بی ہوس شدی اعنی بی ہوش مدہوش ماندہ از

---

[۱] اجتہاد کے ایک معنی سخت کوشش کے بھی ہیں۔

عقل دیوانہ واز شرع بیگانہ۔

چو دیوانگان دایم اندر تفکر — کہ کوئی مراچون برآید مرادی

این ہمہ رنج بر منزل پینچ کشی گنج ابد رہا کردہ و رنج ابد اختیار کردہ

زبہر دو روز مقام مجازی — بھر گوشہ کردہ ذات لمعادی

ہمانا بخواب اندری تابدانی — کہ مارا جزا نیست دیگر معادی

[لیکن تم اس (پروانہ) سے بھی کم تر ہمت اور پست منزل والے ہو کر تم ایسی چیزوں کو اختیار کرتے ہو۔ تم اپنی ہی خواہشوں کے قتیل ہو، کس طرح کسی کو مارو گے؟ تم خود اپنی آرزووں کے قیدی ہو تو کس طرح کسی کو گرفتار کرو گے؟ ہم نے تم سے کہا کہ خواہش (نفس) کو مارو، خواہش نفس نے تم ہی کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے تم سے کہا کہ آرزوؤں کو کچل ڈالو، آرزووں نے تم کو ہی کچل ڈالا، ہم نے تم سے کہا پُر تشدد پہلوان بن جاؤ، تم دبے دبائے ظلم برداشت کرنے والے (انسان) بن گئے۔ تم ساری عمر خواہشوں کی قید میں رہے ہو کر ایسا ہو جائے (یعنی خواہش پوری ہو جائیں) سو ہزار جان عزیز پیدا ہو سکتی ہے لیکن خواہش پوری نہیں ہو سکتی تمہاری عمر کے برابر اگر سو ہزار عمریں بھی مل جائیں تب بھی وہ سب نہیں مل سکتا جو تم چاہتے ہو) تمہاری عمر ختم ہو جائے گی اور تم کو بجز اس کے کچھ اور نہ ملے گا جو تمہاری تقدیر میں لکھا ہے۔ کہہ دو ہمارے نصیب میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اور وہی ہمارا مالک ہے۔ اس ہوس کی وجہ سے تم کو ایک ٹکے کے لیے بھی کسی دوسری چیز کی پرواہ نہیں ہے :

اے وہ شخص جو اپنی خواہش کے نتیجے میں، رات دن سعی وجہد کی پریشانی میں مبتلا ہے، نہ تو اپنے حق میں تجھے کوئی بے قراری ہے، نہ ہی اللہ کا حق ادا کرنے کے لیے تو اطاعت کرتا ہے۔

تم کو چاہیے تھا کہ تم بے ہوس رہو مگر تم ہوس کو غلط پڑھنے والے بن گئے (مطلب یہ ہے کہ بے ہوس کی جگہ بے ہوش ہو گئے) تم بے ہوش و مدہوش ہو گئے، عقل سے دیوانے اور شرع سے بیگانے۔

دیوانوں کی طرح ہر وقت اس فکر میں گم، کہ میری مراد کیسے برآئے گی۔ ؟

تم یہ تمام مصیبتیں ایک عارضی جائے قیام کے لیے برداشت کر رہے ہو تم نے
ہمیشہ رہنے والے خزانے کو چھوڑ کر ہمیشہ رہنے والی تکلیفیں اختیار کی ہیں:
اس مجازی مقام (دنیا) کے دو روز کے لیے، تم نے ہر گوشے میں اپنی ذات
کے ستون کھڑے کر رکھے ہیں۔ تم اب بھی اُسی نیند میں ہو، ورنہ جان لیتے، کہ ہمارا
واپسی کا مرکز اس کے علاوہ ہے۔]

"این نہ جای معاداست جای وقت میعاداست فیوم القیمہ میعادہ امروز روز عہد
است فردا روز دعداست،

الیوم عہدکم فاین الوعد   ہیہات لیس لیوم عہدکم غد

تورا میعاد بمیعادی است پس تورا اعداد واستعدادی باید برای آن معادتا آن
روز کہ معاد شوی آن برای تو معد باشد آن چیست زاد تقوی است۔ وتزودوافان
خیر الزاد التقوی۔ ایخواجہ تو بر جناح سفری ومسافر را از زاد چارہ نیست از آن
ملح بیاموز اگرچہ این حدیث ملح است ولی از فواید ملح است۔

مرالجراد علی زرعی فقلت لہ   اسلک سبیلک لاتولع بافساد
فقام منہم خطیب فوق سنبلۃ   انا علی سفر لابد من زاد

زاد تو تقوی میباید تو بزاد از دیاد معاصی آوردہ باین زاد راہ نتوان بریدن این
زاد برسد وتورا بمنزل نرساند

وزادی قلیل ما اراہ مبلغی   ألَلزاد ابکی ام لطول مسافتی

تورا زاد یا در معاصی از دیاد است یا دوستی آل زیاد است اینت برگ سازی
کہ تورا آزاد است حقیقۃ دان کہ تورا از دوستی یزید وابن زیاد پس زیادہ جاہ
نباشد واگرت ازاین زیادتی باشد آن زیادتی ہم نقصان است واگراین
ربح می شناسی عین خسران است۔

[یہ (دنیا) حشر ونشر کی جگہ نہیں ہے یہ وہ جگہ ہے جس کی میعاد مقرر ہے۔
قیامت (آنے) کے دن تک اس کی میعاد ہے۔ آج قول وقرار کا دن
ہے کل انعام پانے کا۔ (اس دنیا میں) تمہارے رہنے کا ایک وقت
مقرر ہے اس لیے اس دنیا کے حشر ونشر کے لیے تمہارے پاس مناسب

تیاری[1] اور استعداد ہونی چاہیے تاکہ اُس روز جب تم دوبارہ اٹھائے جاؤ وہ دن تمہارے مُعَد (تیار کیا ہوا) ثابت ہو۔ وہ کیا چیز ہے؛ وہ تقویٰ کا توشہ ہے۔"اور توشہ لے لو، بہترین توشہ پرہیزگاری ہے۔ اے خواجہ، تم راہِ سفر میں ہو اور مسافر کو توشہ (لیے) بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اُس ٹڈی سے سبق لو، اگرچہ یہ قصہ ایک ٹڈی کا ہے مگر فوائد میں خوش کن[2] ہے!

میرے کھیت پر ایک ٹڈی دل کا گزر ہوا تو میں نے اُس سے کہا، تو اپنی راہ چل اور آمادۂ فساد نہ ہو۔ اُن میں سے ایک مقرر ایک بالی پر کھڑا ہوا (اور بولا) ہم سفر پر ہیں اور مسافر کے لیے توشہ ناگزیر ہے۔

تمہارا توشہ تقویٰ ہونا چاہیے۔ تم توشے میں گناہوں کی کثرت لائے، اس توشے سے راستہ طے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ توشہ تو فراہم ہو جائے گا مگر تم کو منزل تک نہ پہونچا سکے گا۔

میرا توشہ تھوڑا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ مجھے میری منزل تک پہنچا سکے گا۔ اب میں اپنے توشہ کی قلت پر روؤں یا طولِ مسافت پر۔

تمہارے توشہ میں یا تو گناہوں کی کثرت ہے یا آلِ زیاد کی محبت۔ تم یہ سامان کر رہے ہو جو تمہارے لیے اختیاری[3] ہے۔ حقیقت کو سمجھو۔ تم کو یزید اور ابن زیاد کی محبت سے بہت زیادہ جاہ و مرتبہ نہ ملے گا اور اگر ملا تو وہ زیادتی بھی تمہارے لیے نقصان دہ ہے، اور اگر تم اس کو فائدہ سمجھتے ہو تو یہ عین نقصان ہے۔

دنیا کے اندر آدمی کی زیادتی اس کا نقصان ہے، اور حق خالص کے علاوہ اس کا جو نفع ہے وہ خسارہ ہے۔]

زادِ عقبیٰ تقویٰ باید کہ آن راہی پر آفت است بپرہیز باید در آن راہ رفتن

---

[1] اِعداد۔ Making ready، اسٹنگاز ص ۴۷

[2] مُلِح کے معنی دلچسپ یا خوش کن کہانی کے ہیں اِس کو مِلح (نمک) نہ سمجھنا چاہیے۔

[3] آزاد کے ایک معنی optional (اختیاری) کے بھی ہیں۔

کہ آن راہی است پر خاک وخاشاک یکی از بزرگان را پرسیدند کہ تقویٰ چہ باشد
گفت ہل سلکت طریقًا ذا شوک فقال نعم، گفت در ہیچ راہ خارستان رفتہ
گفت بلی گفت چگونہ کردی گفت حذرت وتشمرت گفت برحذر وہشیار
وداماں چاک زدہ، گفت تقوی آن است کہ در راہ دین ہمچنان روی شاعر
نظم کرد این معنی را وگفت

خل الذنوب صغیرہا وکبیرہا فہو التقی، واصنع کماش فوق ارض الشوک
یحذر ما یری۔ لاتحقرن صغیرۃ ان الجبال من الحصی، مردان آنان بودند کہ در
راہ دنیا ہم تقویٰ زاد کردند تا براہ دین رسیدند۔

[عقبیٰ کا توشہ تقویٰ ہونا چاہیے چونکہ وہ راستہ تکلیفوں سے بھرا ہوا ہے۔
اس لیے اس راستے میں جو کہ مٹی اور جھاڑ جھنکاڑ کا راستہ ہے، بچ بچ کر
چلنا چاہیے۔ لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے؟
انھوں نے جواب دیا کیا تم کانٹوں بھری راہ چلے ہو؟ کہا، ہاں۔ انھوں نے
پوچھا تم نے کیا کیا؟ جواب دیا میں وہاں سے بچ کر گزرا اور اپنے کپڑے
سمیٹ لیے۔ انھوں نے کہا تقویٰ یہی ہے کہ دین کی راہ میں بھی اسی طرح
چلو۔ کسی شاعر نے اس مفہوم کو شعر میں یوں کہا ہے:
گناہوں کو چھوڑ دو چاہے وہ چھوٹے ہوں چاہے بڑے یہی تقویٰ ہے
اور زمین پر اس چلنے والے کی طرح چلو جو کانٹوں سے بچ کر چلتا ہے۔
کسی چھوٹی چیز کو ہرگز حقیر مت سمجھو اس لیے کہ پہاڑ چھوٹی کنکریوں سے
مل کر بنتا ہے۔ مرد وہ لوگ تھے جنھوں نے دنیا کے راستے میں بھی تقویٰ
کو اس طرح توشہ بنایا کہ دین کے راستے تک پہونچ گئے]

عبداللہ مبارک گوید سالی بحج از سالہا بخانۂ خدای میرفتم منقطع شدم
در راہ بتوکل میرفتم از کنارۂ بیابان کودکی را دیدم کہ بیامد ظننتہ سباعیًا او
ثمانیًا گمان چنان بردم کہ ہفت سالہ یا ہشت است جامۂ کوتاہ پوشیدہ ازاری
در سر بستہ نعلین در پا کردہ قضیبی خیزران بدست گرفتہ با او نہ زادی نہ راحلہ
نہ یاری گفتم سبحان اللہ کودکی بدین خردی با دیہ بدین خونخواری اندر گفتم ای

صبی از کجا می آئی گفت من اللہ گفتم بکجا میروی گفت الی اللہ گفتم چہ میجوئی گفت رضاء اللہ گفتم زادت کجاست گفت زادی تقوای وراحلتی رجلای ومرادی مولای گفت زاد من تقوای من است وراحلۂ من پاہای من است ومراد من خدای من است عجب داشتم گفتم این است زہد این است توکل گفتم اخبرنی من انت خبر دہ مرا تا تو کیستی گفت تا چہ خواہی این حدیث را رہا کن از محنت زدہ روزگار چہ خواہی گفتم علی کل حال گفت نحن قوم مظلومون ما مردمان ستم رسیدگانیم گفتم زیادتی کن در بیان گفت نحن قوم مقھورون گفتم روشن تر بگو گفت نحن قوم مطرودون ما گروہی راندگان بازماندگان درماندگانیم گفتم بمیدانم گفت:

نحن علی الحوض زوادہ   نذود نسعد ورادہ

وما فاز من فاز الابنا وما خاب من حبنا زادہ ومن سرنا نال منا السرور ومن ساءنا ساء میلادہ ومن کان غاصبنا حقنا فیوم القیمۃ میعادہ۔"

[عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ برسوں کے بعد ایک سال میں خانۂ خدا کے حج کے لیے جا رہا تھا۔ میں راستہ بھول گیا۔ توکل کیے ہوئے راستہ چلتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ بیابان کے ایک کنارے سے ایک لڑکا آتا ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اُس کی عمر سات یا آٹھ سال کی ہوگی۔ چھوٹا سا کپڑا پہنے، سر پہ چادر لپیٹے، پیروں میں جوتے ڈالے، ہاتھ میں بانس کا عصا تھامے، اس کے ساتھ نہ توشہ ہے نہ کوئی سواری نہ ہی کوئی دوست میں نے کہا۔ سبحان اللہ! اتنا چھوٹا بچہ اور ایسا خونخوار جنگل۔ میں نے اس سے پوچھا۔ اے بچّے کہاں سے آرہے ہو؟ اُس نے جواب دیا اللہ کی طرف سے۔ میں نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا، اللہ کی طرف۔ میں نے (پھر) پوچھا، کس چیز کی تلاش میں ہو؟ اُس نے جواب دیا، اللہ کی رضا (کی تلاش میں ہوں) میں نے سوال کیا تمہارا توشۂ سفر کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا میرا توشۂ سفر میرا تقویٰ ہے اور میری سواری میرے پیر ہیں اور میرا مقصود میرا اللہ ہے۔ مجھ کو تعجب

ہوا، میں نے دل میں) کہا، یہ ہے زہد اور یہ ہے توکل۔ میں نے اس سے کہا تم مجھ کو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اُس (بچے) نے پوچھا، تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے اُس سے کہا پوری پوری بات (سننا چاہتا ہوں) اُس نے کہا ہم ستم رسیدہ لوگ ہیں۔ میں نے کہا اس بیان کی وضاحت کرو۔ اُس نے کہا ہمارا تعلق مقہور قوم سے ہے۔ میں نے اُس سے کہا اس سے زیادہ واضح (الفاظ میں) بتلاؤ۔ اُس نے کہا، ہم کچلی ہوئی، پریشان حال اور کچی کچی قوم کے فرد ہیں۔ میں نے کہا میں نہیں سمجھا، اس نے کہا!

ہم خاص طور پر اس حوض کے منتظم ہیں، ہم اس پر پانی پینے والوں کے لیے اہتمام وانصرام کرتے ہیں۔ اور جس کو بھی کامیابی ملی ہے ہماری ہی وجہ سے ملی ہے، اور جو ہم سے محبت کرتا ہے وہ اپنا توشہ گم نہیں کرتا جس نے ہم کو خوش کیا اس نے ہم سے خوشی حاصل کی اور جس نے ہمیں دکھ دیا وہ پیدائشی برا ہے، اور جس نے ہمارا حق غصب کیا، قیامت کے دن اس کی پکڑ ہوگی۔

این بگفت و برفت چنانکہ من بگرد او نرسیدم در سودای او افتادم کہ تا این کودک چہ کسی است و دیگر ندیدم او را تا بمیان رکن و مقام رسیدم او را دیدم ایستادہ خلائق برا و جمع شدہ و او را از حلال وحرام ومسائل و احکام می پرسیدند و او جواب میداد من گفتم این کودک کیست گفتند نمی دانی این زین العابدین است علی بن الحسین من گفتم سبحان اللہ این است زہد و توکل این است علم و بیان اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ از این چہ عجب داری خادمان خانہ ایشان را چون در خدمت ایشان حقیقتی بود برکت آن باعقاب ایشان رسید تا در حق ایشان جنس این بود"

[یہ کہا اور اس طرح چلا گیا کہ میں اس کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ میں اس الجھن میں گرفتار ہو گیا کہ یہ بچہ کون ہے؟ میں اس کو پھر نہ دیکھ سکا تا آنکہ رکن اور مقام کے درمیان پہونچا۔ میں نے دیکھا وہ کھڑا ہوا ہے اور ایک بھیڑ اس کے گرد جمع ہے جو اس سے حلال وحرام اور احکام ومسائل کے بارے

میں سوالات پوچھ رہی ہے اور وہ جواب دے رہا ہے۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا تم نہیں جانتے یہ زین العابدین یعنی علی بن حسین ہیں۔ میں نے کہا، ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، یہ ہے زہد اور توکل۔ یہ ہے علم اور بیان۔ اللہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں متعین کرے اس میں تعجب کیوں کرتے ہو؟ ان کے گھر کے خادموں کو ان کی خدمت میں جو روحانیت[1] (حاصل) ہوتی ہے وہ اُن کے اخلاق تک پہونچتی ہے حتیٰ[2] کہ اُن کے حق میں یہی ان کی خصوصیت بن جاتی ہے۔]

مالک دینار گوید سالی از سالہا بحج میشدم آنجا کہ وداع گاہ بود زنی را دیدم پیر وضعیفہ بر چہارپای ضعیف نشستہ مردم گرد او درآمدہ و میگفتند کہ برگرد کہ خدای بر تو رحمت کند راہی صعب است و تو بس ضعیفی و چہارپای نیک نیست او میگفت نہ چناں آمدہ ام کہ برگردم من نیز بگفتم کہ برگرد کہ مصلحت نیست ترا بیساز در بادیہ رفتن مرا نیز ہمان جواب داد رفتیم چوں بمیان بادیہ رسید آن چہارپای او خرک ضعیف بود بماند مردم ہمہ بگذشتند و او را رہا کردند من نیز خواستم کہ بگذرم این خبرم یاد آمد کہ رسول علیہ السلام گفت المؤمن احق بالمؤمن من ابیہ وامہ ان اجاع اطعمہ وان عری کساہ وان خاف آمنہ وان مرض عادہ وان مات شیع جنازتہ۔ باز ایستادم و او را گفتم نہ ترا گفتم میای کہ راہ صعب است و چہارپای ضعیف گوش با من نکردی سر سوی آسمان کرد و گفت۔ الٰہی لا فی بیتی ترکتنی ولا الی بیتک حملتنی فوعزتک وجلالک لو فعل ہذا بی غیرک لما شکوتہ الا الیک۔

[مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے جا رہا تھا جہاں لوگوں کو رخصت کرنے کی عمارت تھی وہاں میں نے ایک بوڑھی کمزور خاتون کو دیکھا جو ایک کمزور جانور پر بیٹھی تھیں لوگ اُن کے گرد جمع تھے اور ان سے کہہ

---

[1] حقیقت = Spirituality، اِشنگاز ص ۲۶۴

[2] جنس Quatity، ہیَّم (خُرد) ص ۲۱۲

رہے تھے کہ واپس ہو جائیے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ راستہ تکلیفوں سے بھرا ہوا ہے آپ بہت کمزور ہیں اور آپ کی سواری بھی ٹھیک نہیں ہے۔ وہ کہہ رہی تھیں میں اس لیے نہیں آئی ہوں کہ واپس چلی جاؤں میں نے بھی (ان سے) کہا کہ واپس چلی جائیے جنگل بیابان میں ساز و سامان کے بغیر جانا مناسب نہیں ہے۔ مجھ کو بھی انھوں نے وہی جواب دیا۔ ہم روانہ ہوئے جب وہ بیابان کے بیچ میں پہونچیں ان کا جانور جو کہ ایک کمزور گدھا تھا رک گیا۔ سب لوگ بڑھ گئے اور اُن کو چھوڑ دیا۔ میں بھی چاہتا تھا کہ چلا جاؤں (مگر) مجھ کو یہ حدیث یاد آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کا مومن پر اپنے ماں باپ سے زیادہ حق ہے، اگر وہ بھوکا ہو تو اس کو کھانا کھلائے، ننگا ہو تو کپڑا پہنائے، ڈرا ہوا ہو تو اس کی حفاظت کرے بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ میں رک گیا اور میں نے ان سے کہا، کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ مت چلئے راستہ تکلیفوں سے بھرا ہوا ہے اور آپ کی سواری کمزور ہے۔ انھوں نے میری بات نہیں سنی، اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا:

"یارخدایا نہ در خانہ خودم رہا کردی نہ بخانہ خود مرا رساندی بعزت و جلال تو کہ اگر دیگری این کہ تو با من کردی میکرد شکایت از او جز تو نکردمی ہنوز این سخن تمام نگفتہ بود کہ شخصی را دیدم کہ از گوشۂ بیابان نزد من آمد زمام ناقہ تیز رو بدست گرفتہ ناقہ فرو خوابانید و زا برنشاند و چون باد از پیش من بجست و گرش باز ندیدم تا بطواف گاہ رسیدم او را دیدم گفتم بدان خدای کہ با تو آن کرامت کرد کہ مرا بگوی کہ تو کیستی گفت نمیدانی انا شہدہ بنت مسکرنت فضہ خادمہ فاطمہ گفت من دختر زادۂ فضہ ام خادمہ فاطمہ زہرا این نہ منزلت من است این منزلت بار خدای من است کہ خداوند لطیف با من ضعیف آن کند کہ تو دیدی آن زاد تقوی است و آن زاد توکل تو را چارہ نیست از ہر دو در حضر با حضر از زاد توکل ترجی میکن و در سفر بزاد تقوی باضافہ ترجی توسل میکن و تزودوا

فان خیر الزاد التقوی۔ دراین سفر ہیچ زاد صالح نیست مگر زاد تقوی چہ درہر منزل کہ
فرود آئی واول منزل آخرت گوراست تورا این زاد فریاد رسد۔

الموت بحر موجہ غالب   تذہب فیہ حیلۃ السابح
لایصحب الانسان فی قبرہ   غیر التقی والعمل الصالح"

[اے میرے اللہ، تونے نہ تو مجھ کو میرے گھر میں رہنے دیا اور نہ ہی اپنے گھر (خانۂ کعبہ) تک پہونچایا۔ تیری عزت وجلال کی قسم، جو تونے کیا اگر کوئی دوسرا میرے ساتھ وہی سلوک کرتا تو میں اس کی شکایت بھی تیرے علاوہ کسی اور سے نہ کرتی ابھی یہ بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ میں نے ایک شخص کو بیابان کے گوشے سے نکل کر ایک تیز رفتار اونٹ کی مہار ہاتھ میں پکڑے اپنی طرف آتے دیکھا (وہاں پہونچ کر) اُس نے اونٹ کو بٹھال دیا اور اُن (خاتون) کو اس پر سوار کرا کے ہوا کے جھونکے کی طرح میرے سامنے سے غائب ہوگیا۔ میں نے اُن کو پھر نہیں دیکھا تا آنکہ میں طواف کرنے کی جگہ پر پہونچ گیا۔ میں نے اُن کو دیکھا۔ میں نے کہا، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کے اوپر یہ کرم کیا ہے مجھ کو بتلایئے کہ آپ کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا، تم نہیں جانتے، میں (جناب) فاطمہ کی خادمہ فِضّہ کی نواسی، مسکہ کی بیٹی، شہدہ ہوں۔ یہ میری بلند رتبگی نہیں ہے بلکہ میرے کرم کرنے والے مالک کی ہے جو مجھ حقیر کے ساتھ وہ (سلوک) کرتا ہے جو تم نے دیکھا۔ یہی تقویٰ کا توشہ ہے اور یہی توکل کا توشہ۔ تم کو دونوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ گھر پر توکل کے توشے سے عجلت کے ساتھ تیار کی گئیں غذائیں (Fast food) اور سفر میں رجوع (الی اللہ) کے اضافے کے ساتھ تقویٰ کے توشے سے امید وابستہ رکھو۔" اور زادِ سفر لے لو، بہتر زاد سفر پرہیزگاری ہے" تم چاہے جس منزل پر اترو تقوی کے توشے سے بہتر کوئی توشہ نہیں ہے اور آخرت کی پہلی منزل قبر ہے۔ تمہارے لیے یہی توشہ باعث نجات ہے۔

موت ایک سمندر ہے جس کی موجیں ایسی غالب ہیں، کہ تیرنے والے کی ساری مہارت فنا ہو جاتی ہے۔ اور قبر میں کوئی چیز انسان کی مصاحب نہیں ہوتی ،

سوائے اس کے عمل صالح اور تقویٰ کے]

" راوی خبر گوید کہ امیر المومنین علیہ السلام چون بگورستان برآمدی گفتی۔ السلام علیکم یا اہل القبور اما الدور فقد سکنت و اما الاموال فقد قسمت و اما الازواج فقد نکحت ہذا خبر ما عندنا فما خبر ما عندکم۔ سلام بر شما بادای اہل گورستان اما سرا ہای تان دیگران در نشستند و اما مالہا تان را قسمت کردند و اما زنان تان شوہران باز گرفتند این آن خبر است کہ نزدیک ماست بنزدیک شما چہ خبر است آنگہ گفت اگر ایشان را دستوری بودی تا جواب دہند جز این نگفتندی کہ۔ تزودوا فان خیر الزاد التقوی و اعشی گوید۔

اذا انت لم ترحل بزاد من التقی ... والبصرت بعد الموت من قد تزودا

ندمت علی ان لا تکون کمثلہ ... وانک لم ترصد کما کان ارصدا

مالک دینار گوید کہ یکی از جملۂ زہاد بصرہ فرمان یافت جنازۂ او بر گرفتند و حاضر شدند بجنازۂ او خلق عظیم چون بگورستان رسیدند و او را دفن کردند سعدون مجنون کہ از عقلار مجانین بود بر بالا رفت و آوازی در داد کہ۔

الا یا عسکر الاحیاء ہذا عسکر الموتی ... اجابوا دعوۃ الصغری وہم منتظر و الکبری

یحثون علی الزاد و ما الزاد سوی التقوی ... یقولون لکم جدوا فہذا آخر الدنیا"

[راوی روایت کرتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام جب قبرستان میں تشریف لاتے تو فرماتے۔ اے قبرستان کے لوگو ! تم پر سلامتی ہو، تمہارے مکانوں میں دوسرے لوگ رہ رہے ہیں، تمہارے مال کو لوگوں نے تقسیم کر لیا ہے، تمہاری بیویوں نے دوسرے شوہر کر لیے ہیں۔ یہ وہ اطلاعات ہیں جو ہمارے پاس ہیں۔ تمہارے پاس کیا اطلاعات ہیں ؟ اس کے بعد فرماتے اگر ان لوگوں کو جواب دینے کی اجازت ہوتی تو بجز اس کے اور کچھ جواب میں نہ کہتے۔ توشہ لے لو، بہترین توشہ تقویٰ ہے، اعشیٰ کہتا ہے:

جب تم تقویٰ کے توشہ کے ساتھ سفر نہیں کروگے، اور موت کے بعد اس کو دیکھوگے جس نے توشہ ساتھ لیا تھا۔ تو تم کو ندامت ہوگی کہ تم اس کے مانند نہیں ہو، اور تم نے وہ نگہبانی نہیں کی جو اس نے کی تھی۔

مالک بن دینار بتلاتے ہیں۔ بصرہ کے ایک زاہد کا انتقال ہوا۔ لوگوں نے
ان کا جنازہ اٹھایا جس میں ایک بڑا مجمع موجود تھا۔ جب لوگ قبرستان پہونچے
اور اُن کو دفن کر دیا تو پاگل سعدون نے کہ پاگلوں کے عقل مندوں میں سے
تھا، (قبر) پر گیا اور آواز لگائی:
اے زندوں کے لشکر یہاں مردوں کی فوج ہے، انھوں نے چھوٹی دعوت
قبول کر لی ہے اور بڑی کے منتظر ہیں۔ وہ تم کو توشہ لینے پر ابھار رہے ہیں
اور توشہ تقویٰ کے سوا کچھ نہیں ہے، وہ تم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ کوشش کرو
دنیا کی آخری منزل یہی ہے]

قارئین کے لیے درج بالا طویل اقتباس کا مطالعہ یقیناً بڑا صبر آزما ہوگا مگر مجبوری یہ تھی کہ ابوالفتوح رازی کے انداز تفسیر کو سمجھنے کے لیے اس کو نقل کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ یہاں یہ بات بھی یاد دلانی ضروری ہے کہ اوپر جو اقتباس نقل کیا گیا ہے وہ پوری آیت کی تفسیر پر مشتمل نہیں ہے بلکہ آیت کے صرف اس ٹکڑے "وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ" کی تفسیر ہے۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابوالفتوح رازی کسی آیت یا اُس کے کسی ٹکڑے کی تفسیر لکھتے وقت اپنے قاری کو کس کس دنیا کی سیر کراتے ہیں۔

دوران مطالعہ اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ مذکورہ بالا چھوٹے سے قرآنی ٹکڑے کے ترجمے میں اردو زبان کے تفسیر نگاروں میں خاصہ اختلاف رائے ہے۔ سر سید احمد خاں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا علی نقی نقوی اور مولانا فرمان علی نے مذکورہ قرآنی ٹکڑے کا ترجمہ چند الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ کیا ہے "اور زادراہ لے لو، بے شک بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے"۔ اس کے برعکس شاہ عبدالقادر، مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع کے یہاں چند الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ ترجمہ ملتا ہے "خرچ ضرور لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات خرچ میں (گداگری) سے بچا رہنا ہے"۔ اگر مزید اردو تفسیروں کا مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ دونوں فہرستوں میں خاصے نام بڑھائے جا سکتے ہیں جو ہمارا مقصود نہیں ہے۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ کبھی کبھی کلام پاک کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے ترجمہ و ترجمانی میں ہمارے علماء میں تعبیر و تشریح کا کتنا بڑا اختلاف ہو جایا کرتا ہے۔

اب ہم ابوالفتوح رازی کی درج بالا باتوں کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہیں۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جناب علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کی ولادت خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے عہدِ حیات میں ۱۵ جمادی الثانی ۳۸ھ کو ہوئی تھی۔ جیسا کہ معلوم ہے حضرت علیؓ ۷ ارمضان المبارک ۴۰ھ کو مضروب ہوکر ۲۱ رمضان المبارک کو درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کی وفات کے معاً بعد شیعی معتقدات کے مطابق حضرت حسنؓ منصب امامت پر فائز ہوئے اور اپنی وفات کے دن تک ۲۸ صفر ۵۰ھ تک اس پر فائز رہے۔ جس زمانے میں جناب علی بن حسین کی عمر سات، آٹھ سال کے قریب تھی اس زمانے میں ان کے تایا حضرت حسنؓ امام کی حیثیت سے مامور تھے۔[1]

سوچنے کی بات صرف اتنی سی ہے کہ "امام زماں" حضرت حسنؓ اور مستقبل کے امام حضرت حسینؓ ایک آٹھ سالہ بچے کو اس بات کی اجازت دے سکتے تھے کہ وہ تن تنہا مکۂ معظمہ تک کا سفر کرے؟ اُس کے پاس نہ توشہ ہو نہ سواری اور وہ دشت و بیابان سے گذرتا ہوا بے یار و مددگار منزلِ مقصود تک کا سفر کرتا چلا جائے۔ علاوہ بریں ابوالفتوح رازی نے جناب علی بن حسینؓ کی زبان سے اپنے مقہور وغیرہ ہونے کے جو الفاظ ادا کروائے ہیں ان الفاظ کا اطلاق حادثۂ کربلا کے بعد کے زمانے میں تو ہوسکتا تھا ۴۶ھ میں نہیں۔

چونکا دینے بلکہ اس تفسیری روایت پر ایک سوالیہ نشان لگا دینے والی بات یہ ہے کہ ابوالفتوح رازی نے یہ سرگذشت عبداللہ ابن مبارکؒ کی زبان سے ادا کروائی ہے اور وہ یہ بھول گئے ہیں کہ عبداللہ ابن مبارک کی پیدائش جناب علی بن حسینؓ کے انتقال ۹۵ھ کے تیئیس سال بعد ۱۱۸ھ میں ہوئی تھی۔[2] جب جناب جعفر صادقؒ (۷ ربیع الاول ۸۳ھ - ۱۵ شوال ۱۴۸ھ) منصب امامت پر فائز تھے اور ان کا انتقال ۱۸۱ھ میں اس زمانے میں ہوا جب جناب موسیٰ کاظم (۷ صفر ۱۲۸ھ - ۲۵ رجب ۱۸۳ھ) "امام زماں" تھے۔ یہ تو ممکن نہیں ہے

---

[1] اس پیراگراف کے سارے سنین مولانا علی نقی نقوی صاحب کی کتاب "رہنمایان اسلام"، سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنو ۷۰، مطبوعہ سرفراز پریس سنہ طباعت ندارد سے لیے گئے ہیں۔

[2] مولانا مجیب اللہ ندوی "تبع تابعین"، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۵۹ء ص ۲۹۶۔ "عبداللہ ابن مبارک نے ۱۸۱ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی"، اس حساب سے ۱۱۸ھ سنہ ولادت قرار پاتا ہے۔

کہ عبداللہ ابن مبارکؒ اپنی پیدائش سے پہلے کے کسی واقعہ کو دیکھ لیں اور اس کو اس طرح بیان کر دیں کہ آنے والی نسلیں اُس سے مستفید ہوتی رہیں تحقیقی اور علمی اعتبار سے یہ روایت ناقابل یقین ہے۔ رہی عقیدے کی بات تو اس سلسلے میں خاموشی اولیٰ ہے۔

طول کلام سے بچنے کے لیے ہم مالک بن دینار (م: ۱۳۱ ھ) سے منسوب روایت کے تجزیہ سے گریز کرتے ہیں۔ اس مقام پر اتنا ضرور عرض کرنا چاہیں گے کہ ایران کے مشہور دانشور اور حوزۂ علمیہ کے فارغ ڈاکٹر جعفر شہیدی نے جو کتاب "زندگانی فاطمہ زہرا" کے نام سے لکھی ہے اس میں نہ جانے کیوں جناب فاطمہ کی خادمۂ خصوصی بی بی فِضّہ کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے جبکہ چھٹی صدی ہجری کے ابوالفتوح رازی کی تفسیر میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ایسا کیوں ہے اس بات کی توجیہ کرنے سے ہم قاصر ہیں۔

ختم کلام کے طور پر ابوالفتوح رازی کا ایک ایسا اقتباس پیش کیا جارہا ہے جو ان کے شیعی نقطۂ نظر کو واضح انداز میں ظاہر کرتا ہے۔

سورۂ نسا، کی چوبیسویں آیت کے اس ٹکڑے فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ کی تفسیر لکھتے ہوئے ابوالفتوح رازی نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے:

"حسن و مجاہد گفتند آناں را کہ تمتع بایشان و تلذذ بنکاح برید۔ فآتوہن اجورہن مزد ایشان بدہی، یعنی مہر ایشان تمام بدہی بتمام وکمال برای آنکہ چون یکبار خلوت کرد مہر بتمام واجب باشد و دیگر مفسران و فقہا گفتند کہ نکاح متعہ است آنگہ خلاف کردند بعضی گفتند منسوخ است وبعضی گفتند محکم است آنانکہ گفتند منسوخ است بعضی گفتند در بدایت اسلام حلال بود آنگہ منسوخ شد بعضی دگر گفتند بیشتر از سہ روز حلال نبود پس از آن حرام شد آنگہ خلاف کردند در وقت فسخ و تحریم او بعضی گفتند عام خیبر بود و بعضی دگر گفتند عام الفتح بود و در این معنی اخبار مختلف و مضطرب روایت کردند متفاوت اللفظ والمعنی کہ ینقض بعضہ بعضاً و بعضی دگر از علما گفتند آیہ محکم است و منسوخ نیست و این مذہب اہل البیت است و عبداللہ عباس و عبداللہ مسعود و سعید جبیر و ابی کعب در قرائۃ این قوم از صحابہ در مصحف ابی و عبداللہ مسعود چنین است کہ فما استمتعتم بہ منہن الی اجل مسمّی فآتوہن اجورہن۔"

[حسن (بن ابی الحسن البصری) اور مجاہد کا قول ہے کہ جن عورتوں سے تم نکاح کے ذریعے

لطف اٹھاؤ اور لذت حاصل کرو۔ انھیں ان کی مزدوری دے دو یعنی ان کا پورا کا پورا مہر اس لیے ادا کر دو کہ ایک بار خلوت کر لینے پر پورا کا پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرے مفسروں اور فقیہوں کا قول ہے کہ (یہ) نکاح متعہ ہے۔ اس بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ (متعہ) منسوخ ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ دائمی ہے۔ جو لوگ اس کو منسوخ کہتے ہیں ان میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام میں حلال تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، بعض دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تین دن سے زیادہ حلال نہیں تھا اس کے بعد حرام ہو گیا۔ اس کے منسوخ ہوتے اور حرام ہونے کے وقت کے سلسلے میں بھی لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ جنگ خیبر کا سال تھا اور بعض کے نزدیک فتح مکہ کا سال۔ اس سلسلے میں لوگوں نے ایک دوسرے سے مختلف اور کمزور حدیثیں بیان کی ہیں جو الفاظ اور معانی دونوں اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ علماء کے دوسرے گروہ کا قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔ یہی اہل بیت کا مذہب ہے اور عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن مسعود، سعید بن جبیر اور ابی ابن کعب (کا بھی)۔ صحابہ میں سے یہ لوگ اور ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود کے مصاحف کے مطابق اس آیت کی قرات اس طرح ہے:۔ "فما استمعتم بہ منھن الی اجل مسمیٰ فاتوھن اجورھن"، "جب تم ان سے استفادہ کرو مقررہ وقت تک کے لیے تو ان کو ان کی مزدوری دے دو]

حنین بن ثابت گفت عبداللہ عباس مصحفی بمن داد گفت این مصحف ابی است و آنجا نوشتہ بود فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمّیٰ داود روایت کرد از ابو بصیر کہ گفت از عبداللہ عباس پرسیدم از نکاح متعہ مرا گفت سورۃ النساء نمی خوانی گفتم کجا گفت فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی فاتوھن اجورھن گفت ما چنین نمی خوانیم گفت واللہ لھکذا انزلھا اللہ ثلث مرات۔ بخدای کہ خدای این آیہ چنین نازل کرد سہ بار این حدیث سوگند یاد کرد۔ ابو رجاء العطاردی

گفت عمران بن حصین را پرسیدم از نکاح متعہ گفت تحلیل آن آیتی محکم از کتاب خدای فرود آمد وہو قولہ تعالیٰ فما استمتعتم بہ منہن الی اجل مسمّیٰ فاتوہن اجورہن۔ وہیچ آیہ فرود نیامد کہ این را منسوخ کند وما در عہد رسول علیہ السلام این نکاح کردیم ورسول علیہ السّلام فرمان یافت ومارا ازاین نہی نکرد پس از آن مردی برای خود چیزی بگفت ما بقول او قول خدا ورسول رہا نکینم واین حدیث درمیان صحابہ وتابعین معروف بود تا تظلم کردند....]

[حنین بن ثابت کا قول ہے کہ عبداللہ ابن عباس نے مجھ کو ایک مصحف دیا اور فرمایا یہ اُبی (بن کعب) کا مصحف ہے۔ اس میں تحریر تھا۔ فما.... مسمّیٰ جب تم ان سے استفادہ کرو ایک مقررہ وقت تک۔ داؤد نے ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے نکاح متعہ کے بارے میں عبداللہ ابن عباس سے پوچھا۔ انھوں نے کہا، سورۂ نساء نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا، کہاں ؛ (اس میں کہاں ہے ؟) فرمایا "جب تم اُن سے استفادہ کرو مقررہ وقت تک کے لیے تو ان کو ان کی مزدوری دے دو" (ابوبصیر نے کہا) ہم اس طرح نہیں پڑھتے ہیں (عبداللہ ابن عباس نے فرمایا) اللہ کی قسم ؛ اللہ نے یہ آیت اسی طرح نازل فرمائی ہے۔ انھوں نے تین بار قسمیہ یہ بات دہرائی۔ ابورجاء العطاردی کا ارشاد ہے کہ میں نے عمران بن حصین سے نکاح متعہ کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ اُس (متعہ) کے حلال ہونے کی محکم آیت اللہ کی کتاب میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب تم اُن سے استفادہ کرو مقررہ وقت تک کے لیے تو ان کو ان کی مزدوری دے دو" اور کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جو اس آیت کو منسوخ کر دے۔ ہم رسول علیہ السّلام کے عہد میں یہ نکاح کرتے تھے۔ (تا آنکہ) رسول علیہ السّلام کا انتقال ہوگیا (انتقال کے وقت تک) آپ نے ہم کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنی طرف سے ایک بات کہی۔ ہم اُس کے قول کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے قول سے دست بردار نہ ہوں گے، اور یہ بات

صحابہ اور تابعین کے درمیان معروف تھی پھر لوگوں نے زیادتی کی]
"شعبہ گفت از حکم پرسیدم حدیث نکاح متعہ او گفت از امیر المومنین علی علیہ السلام شنیدم کہ گفت۔

لَوْلَا اَنَّ عُمَرَ نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ مَا زَنَا اِلَّا شَقِیٌّ

اگر عمر نہی نکردی از متعہ در جہان کس زنا نکردی الا اشقی، و در خبر است کہ یک روز عبداللہ زبیر در مسجد سخن میگفت عبداللہ عباس از در در آمد او گفت جائنا من سلب اللہ البصارہ، کسی آمد کہ چشمہای او را خدای باز ستدہ است و عبداللہ عباس در آخر عمر مکفوف شدہ بود بشنید جواب داد و گفت ان اللہ سلب البصارنا و سلب بصایرکم۔ خدای ما را چشم بستد و شما را عقل و بنشست عبداللہ زبیر را سخت آمد در حدیث متعہ آمد و طعنہ زد بر این حدیث تا عبداللہ عباس را کسری بود، عبداللہ عباس گفت بزکاحی طعنہ میزنی کہ تو از آن نکاح آمدہ گفت چگونہ گفت ما جماعتی بودیم در راہی مادرت از پیش ما بر افتاد پدرت را رغبت افتاد کہ او را بزنی کند او گفت من نکاح دوام نکنم، پدرت بُردیمنی داشت آن بُرد بداد و او را بزنی کرد بمتعہ بر آن بر دیمدتی معلوم آبستن شد و تو را بزاد و تو از متعہ زادہٗ۔ نشاید کہ تو در متعہ طعنہ زنی۔"

[شعبہ کا ارشاد ہے کہ میں نے حکم سے نکاح متعہ کی بات پوچھی، انھوں نے نے کہا میں نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا ہے:
"اگر عمر متعہ کی ممانعت نہ کرتے تو دنیا میں اشقیا کے علاوہ کوئی زنا نہ کرتا"۔

روایت[1] ہے کہ ایک روز عبداللہ ابن زبیر مسجد میں گفتگو میں مصروف تھے، عبداللہ ابن عباس دروازے سے (مسجد میں) داخل ہوئے۔ انھوں (عبداللہ ابن زبیر) نے کہا: وہ شخص آیا جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے لے لی ہیں۔ عبداللہ ابن عباس نے، جو کہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے (یہ بات) سنی

---

[1] راوی کون ہے؟ اس کا تعلق عہد صحابہ سے ہے یا تابعین یا تبع تابعین کے عہد سے؟ ثقہ ہے کہ غیر ثقہ درایت کی کسوٹی پر اس کی روایت کھری اترتی ہے کہ نہیں؟ ان تمام باتوں سے ابوالفتوح رازی نے صرف نظر کر لیا ہے۔

اور جواب دیا: اللہ نے ہم سے آنکھیں واپس لے لیں اور تم سے عقل، اور بیٹھ گئے۔ عبداللہ ابن زبیر کو (یہ بات) بہت بری لگی۔ وہ متعہ کی بات کرنے لگے اور انھوں نے (عبداللہ ابن عباس کو متعہ کے سلسلے میں) طعنہ دیا جو اُن (عبداللہ ابن عباس) کی شان کے خلاف تھا۔ (اس پر) عبداللہ ابن عباس نے جواب دیا، تم اس نکاح پر طعنہ دے رہے ہو جس سے تم پیدا ہوئے ہو۔ انھوں (عبداللہ ابن زبیر) نے پوچھا کس طرح؟ انھوں (عبداللہ ابن عباس) نے جواب دیا، ہم کئی لوگ (جا رہے) تھے۔ راستے میں تمہاری والدہ ہم لوگوں کے سامنے سے گذریں، تمہارے والد کو خواہش ہوئی کہ ان کو اپنی بیوی بنائیں۔ انھوں (والدہ عبداللہ ابن زبیر) نے کہا: میں دائمی نکاح نہ کروں گی۔ تمہارے والد کے پاس یمنی چادر تھی وہ ان کو دی۔ اُس یمنی چادر کو دے کر مدت معلوم کے لیے ان سے متعہ کیا، وہ حاملہ ہوئیں اور انھوں نے تم کو جنم دیا۔ تم متعہ کے ذریعہ پیدا ہوئے ہو تم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ تم متعہ پر طعن کرو۔

امّا دلیل بر صحت متعہ این آیۃ است و آیۃ آیتی محکم است و وجہ استدلال از آیۃ آنست کہ گوئم لفظ استمتاع و اجور از دو بیرون نیست یا بر عرف حمل کنند لازم آید کہ ہر کجا مردی بد بشہد و لذتی برانند روا باشد کہ عرف مانع نیست ازاین تا فرقی نباشد از میان نکاح و سفاح و اگر بر عرف شرع حمل کنند باجماع جز این نکاح مؤجل نباشد کہ ماگفتیم و اجور در عرف شرع مہور باشد و در سایر آیات کہ در آنجا ذکر نکاح است و ہر کجا مہر باشد نکاح باشد و ہر کجا نکاح و نفظ تمتّع و متعہ و استمتاع باد مقرون باشد جز این نکاح باشد کہ ماگفتیم۔ دیگر آنکہ اگر استمتاع بر انتفاع و تلذذ حمل کنند لازم آید کہ آن را کہ منتفع نشدہ باشد و تمتع نکردہ او را چیزی لازم نبود و این خلاف اجماع است برای آنکہ او را نیمۂ مہر لازم بود۔"

[متعہ کی درستگی کی دلیل یہ آیت ہے اور یہ محکم آیت ہے۔ اس آیت سے جواز متعہ کے) استدلال کی وجہ یہ ہے کہ استمتاع (لطف گیری) اور

اجور (حق المحنت) کے لفظ دو صورتوں سے باہر نہیں ہیں۔ یا تو عرف پر محمول کیا جائے یا شرع پر۔ اگر عرف پر محمول کیا جائے تو یہ مزدوری ہو گا کہ جس جگہ بھی مزدوری دے کر لذت حاصل کی جائے وہ جائز ہو گا۔ اس چیز سے عرف منع نہیں کرتا اس طرح نکاح اور بدکاری کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا اور اگر اس کو شرعی رواج پر محمول کیا جائے تو اِس بات پر اجماع ہے کہ یہ وہی نکاح مؤجّل ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ عرف شرع میں اجور کے معنی مہر کے ہوتے ہیں اور اُن تمام آیتوں میں جن میں نکاح کا ذکر ہے جہاں مہر ہو گا وہاں نکاح ہو گا اور جہاں نکاح تمتع استمتاع یا متعہ کے الفاظ کے ساتھ آیا ہو تو اس نکاح سے الگ ہو گا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر استمتاع کو فائدہ اٹھانے اور لذت گیری کے معنوں پر محمول کریں تو پھر یہ بات لازمی ہو گی کہ جس نے فائدہ نہیں اٹھایا اور لذت گیری نہیں کی۔ اس پر کوئی چیز لازم نہ آئے لیکن یہ (بات) اجماع کے خلاف ہے اس لیے کہ ایسے شخص پر بھی نصف مہر کی ادائگی لازم ہوتی ہے۔]

دگر آنکہ اتفاق است میان ما و ایشاں کہ در عہد رسولؐ حلال بود و مشروع ہر کہ دعویٰ فسخ کند بر او دلیل باشد دلیلی دگر آنکہ نسخ قرآن باخبار آحاد روا نباشد علی ما بین فی غیر موضع ومن ادل الدلیل علی صحۃ قول عمر خطابست، متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ محللتین فانا احرمہما واعاقب علیہما متعۃ النساء ومتعۃ الحج، گفت دو متعۃ است کہ در عہد رسول حلال بود و گفت من حرام میکنم و این دلیل باشد بر آنکہ حلال بودہ است و تحریم او حرام کردند، دلیل دگر آنکہ قول امیر المؤمنین علیہ السلام وفتوی او برایں قول او و در این حجۃ است برای عصمتش دلیل دیگر اجماع ائمہ معصومین است و جماعتی بسیار از صحابہ کہ ذکر شان رفت دیگر دلیل براین اجماع این طایفہ است و اجماع اینان حجّت است....“

[دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اور اُن (سُنیوں) کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ (متعہ) رسول کے عہد حیات میں مشروع اور حلال تھا[1] ہر وہ

[1] یہ ہر سنی عالم کی رائے نہیں ہے۔ قدرے تفصیل آگے آئے گی۔

شخص جو اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس اس کی دلیل ہونی چاہیے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خبرِ احاد کے ذریعے قرآن (کے حکم) کا نسخ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ متعدد جگہ بیان کیا گیا اور سب سے بڑی دلیل اس کی صحت پر عمر بن خطاب کا یہ قول ہے کہ "عہدِ رسول میں دو متعے حلال تھے میں اُن کو حرام قرار دیتا ہوں[1]" یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ یہ (متعہ) حلال تھا اور اس کو اُن (حضرت عمرؓ) کے حرام قرار دینے سے حرام قرار دیا گیا۔ ایک اور دلیل امیر المومنین علیہ السلام کا قول اور ان کا فتویٰ ہے جو اُن کے معصوم ہونے کی وجہ سے حجّت ہے، دوسری دلیل ائمہ معصومین اور صحابہ کی ایک بڑی تعداد کا (اس بات پر) اجماع ہے۔ مزید دلیل اس جماعت کا اس پر اجماع ہے اور اس جماعت کا اجماع حجت ہے[2]۔]

متعہ یعنی عارضی نکاح صدیوں سے شیعوں اور سُنیوں کے درمیان اختلافی مسئلہ رہا ہے اور آج بھی ہے۔ شیعہ حضرات کا موقف یہ ہے کہ عارضی نکاح، دائمی نکاح کی طرح جائز اور اسلامی شریعت کے مطابق ہے۔ اِس کے برعکس بہت سے سنّی حضرات کا موقف یہ ہے کہ یہ عارضی نکاح جس کو اصطلاحاً متعہ یا صیغہ کہا جاتا ہے ابتدائے اسلام میں حلال تھا مگر بعد میں شراب کی طرح اُس کو بھی حرام قرار دے دیا گیا۔ ابوالفتوح رازی نے سورۂ نسا کی جس آیت کے جس ٹکڑے کی تشریح کی ہے اسی ٹکڑے کو شیعہ اور سُنی دونوں فرقے اپنے اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اِسی کی تعبیر، توضیح اور تشریح کی مدد سے ایک دوسرے کے خیالات کی تردید کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دونوں فرقوں کے علما اپنے اپنے موقف پر اتنی سختی سے قائم ہیں کہ ہمارے زمانے تک اِس سلسلے میں آپسی افہام و تفہیم کی کوئی راہ کھل نہیں پائی ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس بات کی کوئی امید نظر آتی ہے کہ کوئی فرقہ اپنے موقف سے سرِ مُو انحراف کرے گا۔ اس لیے ہم متعہ کی تاریخ، اس کی حِلّت بعد ازاں حرمت اور حلت و حرمت

---

[1] کیا حضرت عمرؓ اس امر کے مرتکب ہو سکتے ہیں کہ وہ اللہ کی حلال کردہ شے کو حرام قرار دیں؟

[2] متعہ کے سلسلے میں ابوالفتوح رازی کی فارسی عبارت "تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی ج ۱، مقدمہ ص ۴۹ تا ۵۱ سے نقل کی گئی ہے۔

کے اسباب پر کوئی رائے زنی کر کے اس الجھے ہوئے مسئلہ کو اور الجھانے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ ابوالفتوح رازی نے جو کچھ کہا ہے صرف اسی کا جائزہ لینے تک اپنے کو محدود رکھیں گے۔

صدیوں سے یہ بات مشہور چلی آرہی ہے اور ابوالفتوح رازی نے بھی اسی کا اعادہ کیا ہے کہ زیر بحث قرآنی ٹکڑے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (م: ۶۸ھ) کے نزدیک مِنْهُنَّ کے بعد اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی کے الفاظ بھی موجود تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس بات کا اولین راوی کون ہے اور اس کا زمانۂ حیات کیا تھا؟ اس سے سوال یہ ہوتا ہے کہ جن حضرات کے نزدیک اِلٰی اَجَلٍ مسمّٰی کے الفاظ قرآنی آیت کا جزو ہیں انھوں نے "محرف قرآن" (نعوذ باللہ) پر کس طرح اجماع کرلیا؟ جہاں تک میری محدود نظر ہے اور میں نے قرآن پاک کے جتنے بھی خطی اور مطبوعہ نسخے دیکھے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی، خواہ وہ شیعہ کاتب کا لکھا ہو خواہ سنی کاتب کا، خواہ شیعی ادارے سے شائع کیا گیا ہو خواہ سنی ادارے سے، الی اجل مسمیٰ کے الفاظ کسی کلام پاک میں نہیں ہیں۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے تین بار قسم کھا کر زیر بحث الفاظ کو منزل من اللہ قرار دیا تھا تو پہلی صدی ہجری کے صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے تبلائے ہوئے الفاظ کو قرآن پاک کے متن میں شامل کروانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ تاریخ اسلام کی کوئی قدیم بلکہ قدیم ترین کتاب اس بات کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے زیر بحث الفاظ کو قرآن کے متن میں شامل کروانے کی کوشش کی ہو اور "جمہور" مسلمین نے ان کی کوشش کو ناکام بنا دیا ہو۔

حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کی ایک عربی کتاب کا ترجمہ مولانا سید ابن حسن صاحب نجفی نے "اصل واصول شیعہ" کے نام سے رضا کار بکڈپو لاہور سے ۱۹۵۷ء میں شائع کروایا تھا جس میں حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین نے مسئلہ متعہ[۱] پر اپنے مکتب فکر کے خیالات معقولی انداز سے پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ہم کو یہاں ان کے پیش کردہ تمام خیالات سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم صرف اُن کی عبارت کے اُس ٹکڑے کی

---

[۱] ملاحظہ ہو ص ۹۸ - ۱۰۶

نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جس میں انھوں نے عبداللہ ابن عباس، جابر بن عبداللہ انصاری، عمر ابن الحصین، ابن مسعود اور اُبی ابن کعب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو اس الزام سے بری کیا ہے کہ وہ قرآن میں کسی نقص یا تحریف کے قایل تھے۔ حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین کی عربی عبارت کا ترجمہ مولانا سید ابن حسن نجفی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"ہماری رائے میں یہ یقین کرنا درست نہ ہوگا کہ یہ حضرات اللہ کے کلام میں کسی نقص و تحریف کے قایل تھے (معاذ اللہ) نہیں بلکہ غالباً سخن شناس ہونے کی وجہ سے تفسیر کے طور پر اس جزو سے آیت کا منشاء بیان کرتے ہوں گے۔ چونکہ عرصہ دراز تک یہ بزرگ شمع نبوت کا طواف کرتے رہے، معارفِ قرآن کو زبانِ رسالت سے سننے اور سمجھنے کا موقع ملا لہٰذا جب لوگ اُن سے دریافت کرتے ہوں گے تو اس آیت کے سلسلے میں ختمی مرتبت سے حاصل کردہ[1] مفہوم کو ظاہر کر دینے میں اُن کو کوئی تامل نہ ہوتا ہوگا...." اسی سلسلۂ سخن میں کچھ اور آگے چل کر ارقام فرماتے ہیں:

"یہاں بھی ہم عرض کریں گے کہ رئیس ملت حضرت ابن عباس کا مقام ان نقائص سے بہت بلند ہے۔ یہ روایت اگر صحیح ہے (اشارہ ہے ابو نضرہ کی روایت کی طرف جس کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں درج کیا ہے) تو غالباً رسول اللہ کے اس جلیل القدر صحابی کا مقصود یہ ہوگا کہ پروردگار عالم نے اس کی تفسیر یوں نازل فرمائی ہے[2]۔"

حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء کے درج بالا بیان سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک بھی اِلیٰ اَجَلٍ مُسمّٰی کے الفاظ منزل من اللہ نہیں ہیں۔ کاش ہم مسلمانوں میں وضعی، ضعیف اور غریب روایات کو بھی سینے سے لگائے رکھنے کی عادت نہ ہوتی تو بہت سے اُلجھے ہوئے مسائل شاید پیدا ہی نہ

---

[1] یہ بیان محتاجِ ثبوت ہے کہ ختمی مرتبت نے اِلیٰ اجلٍ مُسمّٰی یا اس سے ملتے جلتے الفاظ اپنی زبان مبارک سے نکالے ہوں۔ [2] ص ۹۹-۱۰۰

ہو چکا تھا۔ بہرحال ابوالفتوح رازی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں وہ منفرد نہیں ہیں ان سے پہلے کے لوگ بھی اس روایت کو بیان کرتے رہے ہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی طرح اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ اس روایت کی بنیاد کیا ہے؟ کس نے حضرت عبداللہ ابن عباس کے حوالے سے پہلے پہل یہ بات کہی اور کس کتاب میں پہلے پہل یہ روایت درج ہوئی، اگر اس تفتیش میں کامیابی ہو جاتی ہے تو شاید کسی مفید نتیجے تک پہونچا جا سکے۔

اس سلسلے میں علمائے اہل سنت کے رویّے نے بھی مسئلہ کی شکل کو مسخ کیا ہے۔ شیعی علما، تو ابتدا ہی سے حلّت متعہ کے قایل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے موقف میں آج تک سرمو کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ شیعی علما جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر جناب حسن عسکری (۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ - ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ) تک کے سوانح حیات پر روشنی ڈالتے ہیں تو ان حضرات کی زندگی کی ایک ایک جزئیات کا تفصیلی بیان کرتے ہیں مگر میرے محدود علم کی حد تک کبھی کسی شیعہ عالم نے اپنی کتاب میں اس بات کی نشاندہی کی ہو کہ کسی امام نے زندگی کے کسی لمحہ میں کسی خاتون سے عارضی نکاح یعنی متعہ کیا ہو۔ ہم نے "قایم آل عبا" کا نام عمداً یہاں نہیں لکھا ہے۔ ان کی ولادت ۲۵۵ھ میں سامرہ میں ہوئی تھی جب ۲۶۰ھ میں جناب حسن عسکری کی وفات ہو گئی اور وہ "منصب امامت" پر فائز ہو گئے تو ۵ سال ہی کی عمر میں غیبت صغریٰ میں چلے گئے جس کا اختتام ۳۲۹ھ پر ہوتا ہے۔ اس سنہ تک ان کے سفیروں نے "مومنین" کو جو اطلاعات دی ہیں ان میں اُن کے متعہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

بات علمائے اہل سنت کے رویے کی ہو رہی تھی، اُن کا یہ خیال کہ ابتدائے اسلام میں متعہ حلال تھا بعد میں حرام ہوا اصل مسئلہ کو پیدا بھی کرتا ہے اور الجھاتا بھی ہے۔ ہمارے محدود علم کے مطابق سر سید احمد خاں وہ واحد شخص ہیں جنھوں نے اس مسئلہ پر دوسروں سے بالکل مختلف انداز سے نظر ڈالی ہے جو اس قابل ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے عوام نہ سہی تو علما ضرور پڑھ لیں۔ سر سید احمد خاں نے اس مسئلہ پر ایک طویل بحث[1]

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ نساء، تفسیر القرآن ج اول، خدا بخش لائبریری ایڈیشن ص ۹۰ تا ۱۰۰

کی ہے جس کو یہاں نقل کرنے کا موقع نہیں ہے۔ وہ سرے سے اس بات کے قایل نہیں ہیں کہ اسلام میں متعہ جائز تھا وہ اس طرح کے عمل کو "مستی جھاڑنے" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اجرت ٹھہرا کر نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا رواج ہر قوم میں قدیم سے رہا ہے اور اجرت لینے والی ایسی عورتیں خانگیاں اور کسبیاں کہلاتی ہیں۔ ظہورِ اسلام سے قبل عرب میں بھی اس طرح کا رواج "بے حیائی اور بد اخلاقی" سے رائج تھا۔ اسی رواج کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زیرِ بحث آیت نازل فرمائی۔ متعہ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اجازت کی روایت کو سر سید احمد خاں مومنانہ شان کے ساتھ قطعیت اور واضح الفاظ میں بیہودہ اور لغو قرار دیتے ہیں اور ان تمام حدیثوں کو احادیث صحیحہ ماننے سے انکار کرتے ہیں جن میں متعہ کے جواز کا مضمون بیان ہوا ہے۔ جب سر سید احمد خاں متعہ کی اجازت دینے والی حدیثوں ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ ماننے سے انکار کرتے ہیں تو ان کے نزدیک حضرت ابن عباس، عمران بن حصین اور حضرت علی سے منسوب روایتوں کی جو حیثیت ہوگی اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

کاش متقدمین اور ہمارے دور کے علمائے اہل سنت نے بھی سر سید احمد خاں جیسا دو ٹوک اور واضح موقف اختیار کیا ہوتا کہ "متعہ کا طریقہ اسلام نے پیدا نہیں کیا"[۱] تو ہم بہت سی لایعنی بحثوں سے بچے رہتے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو حضرات جوازِ متعہ کے قایل ہیں وہ اپنے موقف پر استقامت کے ساتھ قایم رہیں گے اور اس سلسلے میں اصولی طور پر اُن کے اور حرمت متعہ کے قایل لوگوں کے درمیان کوئی مفاہمت ہوتی نظر نہیں آتی۔ ضرورت صرف اِس بات کی ہے کہ علمائے اہل سنت اپنے پیدا کردہ اس دلدل سے نکل آئیں کہ "حلال تھا حرام ہوا، پھر حلال ہوا اور ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا" اور سر سید احمد خاں جیسا موقف اختیار کریں تو اس بحث کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کیا جا سکتا ہے۔

ابو الفتوح رازی نے اپنی درج بالا تحریر میں حضرت علیؓ سے منقول حضرت عمرؓ

۱؎ سر سید احمد خاں، تفسیر سورۃ نساء، ص ۹۹

اور متعہ کے بارے میں جو قول نقل کیا ہے اس کو نقل کرنے میں وہ منفرد نہیں ہیں یہ قول ابوالفتوح رازی سے پہلے کے لوگوں نے بھی نقل کیا ہے اور ہمارے دور کے لوگوں نے بھی جن میں حجۃ الاسلام شیخ محمد حسین آلِ کاشف الغطار کا نام نامی بھی شامل ہے[۵۱] میں اس قول کو حضرت علیؓ کا قول ماننے سے انکار کرتا ہوں شیعی عقاید کے مسلمات میں یہ بات شامل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد حضرت علیؓ منصب امامت پر فائز ہو گئے اور اپنے نفس بازپسیں تک اُس پر فائز رہے۔ شیعی دینیات کی رو سے امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے اور اس کا ہر فعل دینی حجت ہے جس پر کوئی مسلمان چوں و چرا کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اگر ابوالفتوح رازی کا نقل کردہ قول صحیح ہوتا اور حضرت علیؓ واقعی حضرت عمرؓ کو حلال کو حرام قرار دینے والا سمجھتے تو کسی بھی قیمت پر اپنی اور جناب فاطمہؑ کی نورِ چشم بی بی ام کلثوم کو حضرت عمرؓ کی زوجیت میں نہ دیتے[۵۲] کیوں کہ حلال کو حرام قرار دینے والا کھلا کافر ہے اور مسلمان نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ شیعی عقیدے کے مطابق کوئی "امام زماں" کسی مومنہ کا نکاح حلال کو حرام قرار دینے والے سے کرے؟ ہمارے نزدیک شیعی دینیات کے مسلمات کی رُو سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے منسوب یہ اقوال کذب بیانی اور افترا پردازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔

ابوالفتوح رازی نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جو روایت نقل کی ہے اور جس کے ذریعہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو "متعہ زادہ" کہلایا ہے وہ لغویت اور کذب و افترا کی شاہ کار ہے۔ اس سلسلے میں صرف یہ یاد دلاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی تھی اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سلہ میں پیدا ہوئے تھے۔ یعنی دونوں بزرگوں کی عمروں میں زیادہ سے زیادہ چار برسوں کا فرق تھا۔ ابوالفتوح رازی نے جس انداز سے اس واقعے کا ذکر کیا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ وہ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور دورانِ

---

[۵۱] اصل واصول شیعہ ص ۱۰۶

[۵۲] زندگانی فاطمۂ زہرا، ڈاکٹر سید جعفر شہیدی، نشر فرہنگِ اسلامی، طبع چہارم ۱۳۶۴ ھ ش، ص ۳

سفر زبیر بن العوام نے بی بی اسماء سے متعہ کے ذریعے جنسی ملاپ کیا جس کے نتیجے میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی پیدائش ہوئی وہ بجائے خود اس بات کے فرضی اور ہوائی ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ جس سفر کا ذکر کیا گیا ہے اس کے شریک سفر ابن عباسؓ کی عمر اتنی تو ہونی ہی چاہیے کہ وہ جنسی ملاپ کی ضرورت اور متعہ کو سمجھنے کے اہل ہوں۔ یہاں صورت حال یہ ہے کہ جب ابن زبیرؓ پیدا ہوئے تو ابن عباسؓ نہ تو حضرت زبیرؓ کے شریک سفر ہو سکتے اور نہ ہی جنسی ملاپ کو سمجھ سکتے تھے اس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ابوالفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں جس "واقعے" کا ذکر کیا ہے وہ من گھڑت ہے، اس حقیقت کے باوجود ابوالفتوح رازی کو قصور وار قرار نہیں دیا جا سکتا حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت زبیرؓ کی اہلیہ محترمہ کو بدنام کرنے کی مہم ابوالفتوح سے پہلے وجود میں آئی تھی اور آج بھی جاری ہے[1]۔ اگرچہ "کہانی" کا انداز دوسرا ہے۔ علمائے اہل سنت پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ روایت کے منبع اصلی کو تلاش کرکے اس کی اصلیت و حقیقت کو بے نقاب کریں آخر کب تک مذکورہ شخصیتوں کے گرد گرد و غبار کا ہالہ بنا رہنے دیا جائے گا۔

ہم نے ابوالفتوح رازی کے بیان کردہ "واقعات" پر جو تنقیدی نظر ڈالی ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی تفسیر کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اس طول و طویل تفسیر کے مطالعے کے لیے اگر وقت اور حوصلہ بہم پہونچا لیا جائے تو چھٹی صدی ہجری کے بہت سے مروجہ مذہبی افکار تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے اور ہم مسلمانوں کی علمی پیشرفت کے ایک پہلو سے مزید واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

---

[1] مثلاً "اصل و اصول شیعہ" (بحوالہ الراغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ق) ص ۱۰۹

عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲